عصر حاضر میں جہاد کے تقاضے

سعیدہ آغا منصوری *

ABSTRACT:

The survival and stability of society depends on its moral values and pure ideas and deeds. For the survival and reformation of any society the Prophet peace be upon him has urged upon the abstinence of seven sins in hadith "sab'a mubqat" i.e to associate partner with Allah (shirk), Magic, Murder, embezzlement of Orphans' property, usury, Escape from jihad, and Chastity of women to accuse.

These sins can destroy any community. There are six of them which the Muslims not only take as sins but also feel embarrassed by committing them, but "escape from jihad" is the sin which Muslims have forgotten altogether. Today the main cause of destruction of Muslim Ummah is "escape from jihad". In fact the rise, honor and domination of Muslim Ummah, relies on jihad.

Keywords: Jihad, Sin, Escape, Society.

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کرنیوالے گناہوں سے بچو عرض کیا گیا رسول اکرمؐ وہ کون سے سات گناہ ہیں؟ فرمایا کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک بنانا، جادو کرنا، ناحق قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، جہاد سے بھاگنا اور پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا۔(۱)

اسلامی معاشرے کی بنیاد، بقا اور استحکام کا دارومدار اس کی اخلاقی اقدار، نظریات کی پختگی اور اعمال صالح پر ہے۔ آنحضرت نے اسلامی معاشرے کی بقا اور اصلاح کے لیے حدیث سبع موبقات میں سات باتوں سے مکمل اجتناب و پرہیز پر زور دیا ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں۔

اس حدیث میں سات کبیرہ گناہوں کا بیان ہے۔ بعض میں تین کبیرہ گناہوں کا ہے اور بعض میں چار کا بیان ہے ان کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ بہت فحش معصیت کے قبیل میں سے ہیں۔ اور ان کا بہت زیادہ وقوع ہوتا ہے (۲) ان کو موبقات کہا گیا۔ موبقات کا مطلب ہے ہلاک کرنے والے گناہ یہ وہ سات ہیں جو کسی بھی قوم کو تباہی سے دوچار کر سکتے ہیں ان میں سے چھ گناہوں شرک، جادو، قتل، سود، تہمت اور مال یتیم کے کھانے کو مسلمان کسی نہ کسی حد تک گناہ تصور کرتے ہیں اور ان سے بچنے کی تدابیر اختیار کی جاتی ہے اور کسی سے ان گناہوں کا ارتکاب ہو بھی جائے تو دل میں خلش سی برقرار رہتی ہے۔ لیکن

* ریسرچ اسکالر
برقی پتا: agha.saeedah@gmail.com

تاریخِ موصولہ: ۲۰۱۳/۲/۸ء

فرار جہاد ایک ایسا گناہ ہے جو آج امت مسلمہ یکسر فراموش کر چکی ہے اور اس گناہ کا احساس تک نہیں ہوتا۔ آج امت مسلمہ کی ہلاکت کا سبب بننے والا سب سے بڑا گناہ فرار جہاد ہے۔ مقالہ ہذا کا موضوع ان سات گناہوں میں سے ایک گناہ فرارِ جہاد ہے۔

جہاد سے بھاگنا:

جہاد اسلام مخالف قوتوں کی آنکھ میں ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا ہے اور اس کی وجہ بھی واضح ہے کہ یہی قوت ہے جس سے ان کے غلبے کو چیلنج کیا جا سکتا ہے ان کے ظلم وتعدی کا مداوا ممکن ہے۔ دور جدید میں جب استعماری قوتوں نے مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیا تو ان کے دو ہی ہدف تھے۔ ایک رسول پاک کی ذات مبارک اور دوسرا مسلمانوں کا تصور جہاد، رسول پاک ؐ کی ذات اور تعلیمات اسلام کی شناخت ہیں اور اس کے عالمی کردار کے صورت گر ہیں۔ اور جہاد وہ قوت ہے جس کے ذریعے شیطانی نظام کو چیلنج کیا جا سکتا ہے اور انسانیت کو ظلم کے چنگل سے نکالنے کا سامان کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو غیروں کے غلبے اور تسلط کی راہ میں حائل ہے اور یہی ان کا ہدف ہے۔

جہاد سے فرار چاہے دوران جنگ ہو یا بوقت ضرورت ہو بزدلی اور کم ہمتی اور شکست کی علامت ہے۔ جہاد سے پیچھے رہنے میں اور فرار اختیار کرنے میں کمزوری اور ذلت کی موت ہے۔ جو قوم بھی دفاع سے منہ موڑ کر بیٹھ جاتی ہیں اور قتال سے ہاتھ توڑ کر بیٹھ جاتی ہیں وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دی جاتی ہیں۔ آج امت مسلمہ کی ہلاکت کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب فرار جہاد ہے

میرے اس دعویٰ کو سمجھنے کے لیے جہاد کی حقیقت اور جہاد کے قانون کو جاننا ہوگا۔

قانون جہاد:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا میں بھیج کر انہیں بے یارو مددگار نہیں چھوڑا کہ زبردست لوگ بھیڑیے بن کر کمزوروں پر قابض ہو کر ان کا قتل عام کریں ان کی جائیدادوں پر قبضہ کریں اور ان کی عورتوں کی عزتیں لوٹیں اور خدا کی زمین پر فساد کی آگ بھڑکائیں اور دنیا کا امن تہہ وبالا کریں۔

سب کاموں سے بڑا ثواب انسانوں کی خدمت ہے اور ان کو امن دینا ہے اور سب کاموں سے برا گناہ انسانوں کو تکلیف دینا اور ان کو مارنا ہے۔ (۳) انسانی تمدنی حقوق میں اولین حق زندہ رہنے کا ہے اور اسکے تمدنی فرائض میں اولین فرض زندہ رہنے دینے کا فرض ہے۔ احترام نفس کا اخلاقی اصول تمام شریعتوں میں موجود ہے لیکن اس کے متعلق جیسی صحیح اور موثر تعلیم اسلام میں دی گئی ہے کہ وہ کسی دوسرے مذہب میں ملنی مشکل ہیں۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف پیرایوں سے اس تعلیم کو دل نشین کرنیکی کوشش کی گئی ہے۔

وہ اس جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنے کیے کی سزا پائے گا۔ (سورہ الفرقان:۶۸)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

کسی ایسی جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے ہلاک نہ کرو سوائے اس صورت میں کہ ایسا کرنا حق کا تقاضہ ہو۔
اللہ نے تمہیں ان باتوں کی تاکید کی ہے شاید کہ تم کو کچھ عقل آئے۔(انعام:۱۵۱)

مگر یہاں غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ ''لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ'' ہی نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ''الا بالحق'' بھی کہا ہے۔ من قتل نفسا فکانما قتل الناس جمیعا ہی نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ''بغیر نفس او فساد فی الارض'' کا استثنا کر دیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ کسی جان کو کسی حال پر قتل نہ کرو۔ ایسا کہا جاتا تو یہ تعلیم کا نقص ہوتا۔ عدل نہ ہوتا بلکہ حقیقی ظلم ہوتا۔ دنیا کو اصلی ضرورت اس بات کی نہ تھی کہ انسان کو قانون کی پکڑ سے آزاد کرایا جائے۔ اور اسے کھلی چھوٹ دی جائے تاکہ جتنا چاہے فساد کرے، جتنی چاہے بدامنی پھیلائے۔ جس قدر چاہے ظلم و ستم کرے، بہرحال اس کی جان محترم ہی رہے گی۔ بلکہ اصلی ضرورت یہ تھی کہ دنیا میں امن قائم کیا جائے اور ایسا قانون بنایا جائے کہ جس کے تحت ہر شخص آزاد ہو اور کوئی شخص ایک مقرر حد سے تجاوز کرکے دوسروں کے مادی یا روحانی امن میں خلل برپا نہ کرے، اس غرض کے لیے محض ''لا تقتلو النفس'' کی حمایت ہی درکار نہ تھی بلکہ الا بالحق کی محافظ قوت بھی درکار تھی ورنہ اس کی جگہ بدامنی ہوتی۔ پھر انسان کی سرکش طبیعت کو اطاعت امر پر مجبور کرنے کے لیے ایسے قانون کی ضرورت ہے جس میں حکم دینے کے ساتھ یہ بھی ہو کہ اگر تعمیل نہ کی گئی تو اس کی سزا کیا ہے اور منع کرنے کے ساتھ یہ بھی ہو کہ اگر فعل ممنوع سے اجتناب کیا گیا ہو تو اس کا نتیجہ کیا بھگتنا پڑے گا۔

اس لیے کہ خدائی قانون نے صاف طور پر بتا دیا کہ انسانی خون کی حرمت صرف اسی وقت ہے جب تک اس پر حق نہ قائم ہو جائے اور اگر وہ دوسروں کی جان پر ناحق حملہ کرے تو وہ اپنے حق حیات کو خود بخود کھو دیتا ہے۔ لہذا جو شخص کسی دوسرے کی ناحق جان لے تو اس کے لیے حکم ہوا۔

تم پر مقتولوں کے لیے قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔

اے عقل مندوں! اس قصاص کو موت نہ سمجھو بلکہ یہ تو فی الحقیقت سوسائٹی کی زندگی ہے جو اس کے جسم سے ایک فاسد و مہلک پھوڑے کو کاٹ کر حاصل کی جاتی ہے۔

قتل بالحق اگرچہ کسی صورت میں قتل بغیر حق کی ہی طرح ہے مگر حقیقت میں یہ ناگزیر خون ریزی ہے جس سے کیا حال میں چھٹکارا نہیں۔ اس کے بغیر نہ دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ شر و فساد کی جڑ کٹ سکتی ہے، نہ سرکشوں کو ان کے جائز حدود میں رکھا جا سکتا ہے اور نہ اللہ کی مخلوق کو مادی و روحانی سکون آ سکتا ہے۔ اگر اسلام پر ایسی خون ریزی کا الزام ہے تو ایسے الزام کو قبول کرنے میں ذرہ بھر بھی عار نہیں۔ یہ دراصل اللہ تعالی کی حکمت بالغہ ہے کہ اس نے حرمت نفس کی تعلیم کے ساتھ قصاص کا قانون بھی مقرر کیا ہے اور اس طرح اس کے استعمال کو ضروری قرار دیا جس کا استعمال حرمت نفس کی حفاظت کیلیے ناگزیر ہے۔ یہ قصاص کا قانون جس طرح افراد کے لیے ہے اسی طرح جماعتوں کے لیے بھی ہے۔ جس طرح افراد سرکش ہوتے ہیں اسی طرح قومیں بھی سرکش ہوتی ہیں اس لیے جس طرح افراد کو قابو رکھنے اور تعدی سے باز رکھنے کے لیے خونریزی ناگزیر ہوتی ہے اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی بڑھتی ہوئی بدکاری کو روکنے کے لیے بھی جنگ

ناگزیر ہو جاتی ہے۔ جب کوئی جماعت وعظ و تلقین سے راست نہ آئے اور جب اس کو دوسروں پر دست رازی کرنے سے، دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے، دوسروں کی عزت و شرافت پر حملہ کرنے سے باز رکھنے کی جنگ کے سوا کوئی صورت باقی نہ رہے تو پھر یہ سچے بہی خواہ انسانیت کا اولین فرض ہو جاتا ہے کہ اس کے خلاف تلوار اٹھائے اور اس وقت تک آرام نہ لے جب تک خدا کی مخلوق کو اس کے کھوئے ہوئے حقوق واپس نہ مل جائیں۔

جنگ کی اسی مصلحت و ضرورت کو خدائے حکیم و خبیر نے اپنے حکیمانہ ارشاد میں ظاہر فرمایا ہے۔

اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی مگر دنیا والوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ دفع فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)

ایک اور جگہ قوموں کی باہمی عداوت و دشمنی کا ذکر کر کے ارشاد ہوتا ہے

”یہ لوگ جب کبھی جنگ و خونریزی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے یہ لوگ زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا“۔ (سورہ المائدہ:۶۴)

جہاد فی سبیل اللہ:

یہی فساد بدامنی، طمع و ہوس، بغض و عداوت اور تعصب و تنگ نظری کی جنگ ہے جس کی آگ کو ختم کرنے کے لیے اللہ نے اپنے بندوں کو تلوار اٹھانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قدرت رکھتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے ہیں ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ (سورہ الحج:۴۰:۳۹)

یہ قرآن میں پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں اتری۔ اس میں جن لوگوں کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کا قصور یہ نہیں بتایا کہ ان کے پاس ایک زرخیز ملک ہے یا وہ تجارت کی ایک بڑی منڈی کے مالک ہیں۔ یا وہ ایک دوسرے مذہب کی پیروی کرتے ہیں بلکہ ان کا جرم صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ظلم کرتے ہیں لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں۔ اور اس قدر متعصب ہیں کہ محض اللہ کو رب کہنے پر ان کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اور مصیبتیں توڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف صرف اپنی مدافعت میں ہی جنگ کا حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ دوسرے مظلوموں کی اعانت و حمایت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اور تاکید کی گئی ہے کہ کمزور اور بے بس لوگوں کو ظالموں کے پنجوں سے نجات دلوائے۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے خدا ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ بڑے ظالم و جفاکار ہیں، اور ہمارے لیے خاص اپنی طرف سے ایک محافظ و مددگار مقرر فرما۔ (النساء:۷۵)

ایسی جنگ جو ظالموں اور مفسدوں کے مقابلے میں اپنی مدافعت کمزوروں بے بسوں اور مظلوموں کی اعانت کے لیے کی جائے۔ اللہ نے خاص راہ خدا کی جنگ قرار دیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ جنگ بندوں کے لیے نہیں بلکہ

خدا کے لیے ہے اور اسی کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔(۴)

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت

یہی جہاد فی سبیل اللہ ہے جس کی فضیلت سے قرآن کریم کے صفحے بھرے پڑے ہیں۔ جس کے متعلق فرمایا ہے۔

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کے بارے میں بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہترین کام ہے اگر تم جانو۔ (الصّف: ۱۰۔۱۱)

جس میں لڑنے والوں کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھے ہوئے جم کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (الصّف:۴)

جس کی بلندی و عظمت کی گواہی اس شان سے دی ہے:

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو ان لوگوں کے کام کے برابر ٹھہرایا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے حق کی خاطر گھر بار چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے لڑے ان کا درجہ اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا ہے اور وہی لوگ ہیں جو حقیقت میں کامیاب ہیں۔ (التوبہ: ۱۹۔۲۰)

پھر وہی حق پرستی کی جنگ ہے جسمیں ایک رات جاگنا ہزار راتیں جاگ کر عبادت کرنے سے بڑھ کر ہے۔ جس کے میدان میں جم کر کھڑے ہونا گھر بیٹھ کر ستر برس تک نمازیں پڑھتے رہنے سے افضل بتایا گیا ہے۔ جس میں جاگنے والی آنکھ پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی ہے جس کی راہ میں غبار آلود ہونے والے قدموں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ کبھی آتشِ دوزخ کی طرف نہ گھسیٹے جائیں گے۔(۵)

بے شمار احادیث بھی ہیں جن میں جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ نے فرمایا:

جس شخص نے اللہ کی راہ میں اتنا عرصہ تک بھی قتال کیا جتنا ایک اونٹنی کے دودھ دوہنے پر لگتا ہے، اسکے لیے جنت واجب ہوگئی، بشرطیکہ یہ قتال اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی نیت سے کیا ہو۔(۶)

یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ بلا توقف روزے، نماز اور تلاوتِ قرآن کی حالت میں رہے۔ یہ عمل انسانی ہمت سے بالا ہے مگر جہاد پر نکلنے والے کے متعلق رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

"مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص برابر روزے رکھ رہا ہو، برابر نماز پڑھ رہا ہو، برابر آیات الٰہی کی تلاوت کر رہا ہو۔ اپنے روزوں اور اپنی نمازوں میں کوئی توقف نہ کر رہا ہو، یہاں تک کہ مجاہد گھر لوٹ آئے"۔(۷)

جہاد میں گذارے جانے والے لمحات کی فضیلت کو اس انداز میں بیان کیا:

حضرت انس سے مروی ہے: رسول اللہؐ نے فرمایا:

اللہ کی راہ میں گزارنے والی ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔(۸)

حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کونسا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ رسول اکرمؐ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا''۔(۹)

ایمان باللہ کے جو تقاضے ہیں ان میں سرفہرست نماز ہے اور پھر اطاعتِ والدین۔ مگر اسلام کا جزو اعظم بلکہ ستون جہاد ہے۔ اس لیے اسلام کا افضل ترین عمل جہاد کو قرار دیا گیا۔(۱۰)

فضیلت جہاد کی وجہ:

قابل غور بات یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی اتنی فضیلت آخر کیوں ہے؟ کیوں جہاد کرنیوالوں کو بار بار کہا جاتا ہے کہ وہی کامیاب ہیں اور انہی کا درجہ بلند ہے؟ اور اس سے بچ کر گھر بیٹھنے والوں کو ایسی تنبیہات کیوں کی جاتی ہیں؟ اسمیں آخر وہ کونسی کامیابی مضمر ہے کہ اس خشک و بے مزہ جنگ لڑنے والوں کو بار بار اولٰٓئک ھم الفائزون کہا جارہا ہے؟

اس کا جواب دراصل اسی ولـولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض اور الا تفعلوه تكن فتن فى الارض وفساد كبير میں پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس کی زمین پر فتنہ وفساد پھیلایا جائے اسے یہ گوارا نہیں ہے کہ طاقتور کمزوروں کو کھا جائیں اور اس کے بے قصور بندوں کو ستایا اور تباہ و برباد کیا جائے۔ ان کے امن وچین پر ڈاکہ ڈالا جائے اور ان کی اخلاقی، روحانی اور مادی زندگی کو ہلاکت میں مبتلا کیا جائے اسے یہ منظور نہیں کہ دنیا میں سیاہ کاری، بداعمالی، بے انصافی اور قتل و غارت قائم رہے۔ وہ پسند نہیں کرتا کہ جو خاص اس کے بندے ہیں ان کو مخلوق کا بندہ بنا کر ان کی انسانی شرافت پر ذلت کا داغ لگایا جائے۔

پس جو گروہ کسی معاوضہ کی خواہش کے بغیر کسی دھن و دولت کی لالچ کے بغیر اور بغیر کسی ذاتی نفع کی تمنا کے، محض خدا کی خاطر دنیا کو اس فتنہ سے پاک کرنے کے لیے اور ظلم کو دور کر کے اس کی جگہ عدل قائم کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے۔ اور اس نیک کام میں اپنی جان و مال، اپنی تجارت کے فوائد اپنے بال بچوں اور باپ بھائیوں کی محبت اور اپنے گھر بار کے عیش و آرام قربان کر دے۔ اس سے زیادہ اللہ کی محبت و رضامندی کا کون مستحق ہوسکتا ہے؟

جہاد فی سبیل اللہ کی یہی فضیلت ہے کہ جس کی بنا پر اسے تمام انسانی اعمال میں ایمان باللہ کے بعد سب بڑا درجہ دیا گیا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت یہی چیز تمام فضائل و مکارم اخلاق کی روح ہے۔ انسان کی یہ اسپرٹ ہے کہ وہ بدی کو کسی حالت میں برداشت نہ کریں اور اسے ختم کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار ہو جائے۔ انسانی شرافت کی سب سے اعلی اسپرٹ ہے۔ اور عملی زندگی کی کامیابی کا راز بھی اسی اسپرٹ میں مضمر ہے۔(۱۱)

فریضہ جہاد کے متعلق چند مغالطے:

جہاد اسلام کی ان تعلیمات میں سے ہے جسے مغرب ہی نہیں خود مسلمانوں میں سے بعض افراد نے ہر دور میں عصری

تقاضوں کے پیش نظر تعبیر کی چھلنی سے گذارنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اور اس کی ایسی ایسی نادر تعبیرات پیش کیں جو شاید قرن اول کے کسی مجتہد کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوں گی۔

ان خدشات، غلط فہمیوں و اندیشوں میں سب سے نمایاں پہلو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) فریضہ جہاد کی آیات اور آیت ''لا اکراہ فی الدین''، میں تضاد ہے۔

۲) تفریق جہاد اکبر و جہاد اصغر ۳) جہاد بنام مقدس جنگ

پہلا مغالطہ:

کچھ متعصب دشمنان اسلام پر تضاد کا الزام لگاتے ہیں کہ ایک طرف اسلام تلوار اٹھانے کا حکم دیتا ہے۔

ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ (البقرہ:۱۹۳)

اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ

دین میں کوئی جبر نہیں۔ ہدایت اور گمراہی ایک دوسرے سے ممتاز ہو چکی ہے۔ (البقرہ:۲۵۶)

تلوار کا حکم اور لا اکراہ فی الدین کا اصول۔۔۔ (یہ تضاد نہیں تو اور کیا ہے) انہی میں سے کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اس بات کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ وہ اسلام پر سے اعتراض کو دفع کرنا چاہتے ہیں مگر فی الحقیقت پوری خباثت کے ساتھ ان کی کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں میں روح جہاد سرد پڑ جائے اور اسلام کی تاریخ، اس کے قیام اور دنیا میں اس کے پھیلنے کے سلسلے میں جہاد کا جو کردار ہے اسے گھٹا دیا جائے۔ یہ لوگ پر پیچ اور خوبصورت انداز میں مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ جہاد کے ہتھیار کے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ اور وہ یہ سب کچھ اس انداز میں کرتے ہیں گویا وہ اسلام کے خلاف لگائے جانے والے الزامات کو دفع کر رہے ہوں۔

مستشرقین میں یہ دونوں قسم کے لوگ دراصل اسلام سے جنگ کے ایک ہی میدان میں کام کرتے ہیں۔ وہ اسلامی نظام حیات میں تحریف کرنا چاہتے ہیں وہ اسلام کی موثر تعلیمات کو جو مسلمانوں کے احساسات پر اثر انداز ہوتے ہے۔ قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ روح جہاد کے۔۔۔ جس کے سامنے وہ کسی میدان میں ٹھر نہیں سکے۔ بیدار ہونے کے خطرے سے محفوظ مامون ہو جائیں۔ چنانچہ اب وہ محفوظ و مطمئن ہیں۔ انہوں نے مختلف ذرائع اور وسائل اختیار کر کے روح جہاد کو مقید اور مردہ کر دیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال القا کیا ہے کہ استعماری طاقتوں اور ان کے اہل وطن کے مابین عقیدے کی جنگ بالکل نہیں ہے۔ یہ تو صرف منڈیوں خام مال اور فوجی مراکز و اہم مقامات کی جنگ ہے اور بس۔ اسلیے جہاد کی کوئی فضیلت نہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام نے تلوار اٹھائی ہے۔ اس نے اپنی طویل تاریخ میں مدافعانہ جنگیں کی ہیں اور جہاد بھی کیا ہے۔ لیکن اس نے یہ سب کچھ اس لیے نہیں کیا کہ کسی شخص کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے۔ (۱۲)

قرآن مجید کی جن آیات میں احکام جنگ کی تشریح کی گئی ہے۔ ان میں جنگ و خون ریزی کی غرض و غایت ملانے

کے ساتھ ایک حد بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ اور اس سے آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ ہر حد ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات پر نہایت روشن طریقے سے کھینچی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ البقرہ میں مسلمانوں کو قتال کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

وقٰتلوھم حتی لا تکون فتنه ویکون الدین لله (البقرہ:۱۹۳)

یہاں حتی کے لفظ نے ایک حد کھینچ دی ہے کہ جب تک فتنہ باقی رہے اور ترقی دین کے راستے میں رکاوٹیں موجود رہیں، اس وقت تک جنگ کی جائے اور جب یہ دونوں چیزیں دور ہو جائیں تو پھر حرب وقتال کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ چنانچہ آگے بڑھ کر ارشاد فرمایا:

پھر اگر وہ (فتنہ برپا کرنے سے) باز آجائیں تو جان لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر یہ زیادتی نہیں کی جائے۔(البقرہ: ۱۹۳)

سورہ المائدہ میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں بتلایا ہے کہ انسانی جان کس صورت میں حرام ہے اور کس صورت میں حلال۔

جو کوئی کسی جان کو قتل کرے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کر دیا۔(المائدہ: ۳۲)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو صرف دو صورتوں میں قتل کیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس نے کسی انسان کو ناحق قتل کیا ہو اور دوسرے یہ کہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا ہو۔ ان دو صورتوں کے علاوہ کسی تیسری صورت میں اسے قتل کرنا جائز نہیں بلکہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اللہ رب العالمین اسے تمام دنیا کے قتل کر دینے کے برابر سمجھتا ہے۔

اسلام کی تلوار ایسے لوگوں کی گردنیں کاٹنے کے لیے تو ضرور تیز ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں یا اللہ کی زمین میں فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس تیزی میں حق بجانب نہیں ہے لیکن جو لوگ ظالم نہیں ہیں، جو بدکار نہیں ہیں جو صد عن سبیل اللہ نہیں کرتے ہیں۔ جو دین حق کو مٹانے اور دبانے کی کوشش نہیں کرتے۔ جو خلقِ خدا کے امن واطمینان کو غارت نہیں کرتے، وہ خواہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں اور ان کے دینی عقائد خواہ کتنے ہی باطل ہوں اسلام ان کی جان ومال سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ ان کے لیے اس کی تلوار کند ہے اور اس کی نظروں میں انکا خون حرام ہے۔

حدودِ جنگ کا یہ تعین بجائے خود فیصلہ کن ہے۔ لیکن کتاب الٰہی کا کمالِ وضاحت یہ ہے کہ اس نے صرف دلالتاً ہی اس مسئلے میں ہماری ہدایت پر قناعت نہیں کی بلکہ صراحتاً بھی ہم کو بتا دیا کہ اسلام کی تبلیغ میں جبر وکراہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں صاف فرمایا:

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ سیدھی راہ غلط راستے سے ممتاز کر کے دکھائی جا چکی ہے۔ اب جو کوئی معبودان باطل کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لائے وہ ایک ایسے مضبوط رشتے سے تعلق جوڑتا ہے جو ٹوٹنے والا نہیں ہیں اور اللہ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے۔(البقرہ: ۲۵۶)

یعنی اسلام کے دلائل اور براہین اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ کسی شخص کو اس میں داخل ہونے پر مجبور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر حقیقت میں اسلام کی تعلیم یہی ہوتی کہ قبول اسلام پر لوگوں کو بزور شمشیر مجبور کیا جا سکتا ہے تو گذشتہ

صدیوں میں کم ازکم ایک ہی مرتبہ ملت اسلامیہ اس تعلیم کے مطابق لوگوں کو جبراً مسلمان بناتی لیکن صرف یہی نہیں کہ آج تک ایسا نہیں ہوا بلکہ خلافت راشدہ کے ایک عہد مبارکہ میں بھی جو قرآن اور اس کی تعلیم کی عملی تفسیر تھا کبھی اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ آنحضرت کو بارہا کفار پر قدرت حاصل ہوئی اور ان کی بڑی بڑی جماعتیں آپ کے قبضے میں آئیں۔ لیکن آپ نے ان کی گردنوں میں کبھی زبردستی اسلام کا پھندا نہیں ڈالا۔ بلکہ اپنی تعلیم سے صرف ان لوگوں کی گندگی کو دور کرنے پر قناعت کی۔ دعوت اسلام کے جو وفد آپؐ بھیجتے ان کو تاکید فرماتے کہ لوگوں پر سختی نہ کرنا۔ مکہ معظّمہ میں جب آپؐ کا قافلہ فاتحانہ داخل ہوا تو آپؐ نے ان کافروں کو جو آپؐ کے خون کے پیاسے تھے (آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو)۔ کہہ کر آزاد چھوڑ دیا اور کسی کو قبولِ اسلام پر مجبور نہ کیا۔(۱۳)

اسلام میں جہاد اس لیے ہے کہ ان باغی اور ظالمانہ نظام ہائے زندگی کا استیصال ہو اور ان کی جگہ منصفانہ نظام قائم ہو جو ہر جگہ دعوت حق اور داعیان حق کی آزادی کا ضامن ہو یہ مقصد اور ہدف ہمیشہ موجود رہے گا اور اس ہدف تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان جہاد کریں، بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں۔

مختصر یہ کہ اسلام نے تلوار اس لیے نہیں اٹھائی کہ لوگوں کو اسلامی عقیدہ قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اور اسلام اس مفہوم میں تلوار سے پھیلا ہے جیسا کہ بعض دشمنان اسلام اسطرح کا الزام نہیں لگاتے ہیں۔ اسلام میں جہاد اس لیے ہے کہ ایک پرامن نظام قائم ہو جس کے سائے میں تمام عقیدوں کو ماننے والوں کو امن وامان حاصل ہو۔ وہ اس کے دائرہ اقتدار میں اس کے اقتدار کے مطیع وفرمانبردار بن جائیں اگرچہ انہوں نے اس کا عقیدہ قبول نہ کیا ہو۔

اسلام کی بقاء دنیا میں اس کے پھیلنے، اہل اسلام کے اپنے عقیدے پر مطمئن ہونے اور ان لوگوں کے اطمینان کے لیے جو اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں اور اس صالح نظام کے قیام اور اس کے تحفظ کے لئے اسلام کی طاقت ناگزیر ہے اس لیے جہاد کی اہمیت کی کسی طرح کم نہیں ہے۔ نہ آج کے دور میں یا مستقبل میں، اس کی ضرورت ختم ہوگئی ہے جیسا کہ اسلام کے دشمن مسلمانوں کو باور کرانا چاہتے ہیں۔(۱۴)

دوسرا مغالطہ!

جب قوموں کا زوال شروع ہو جاتا ہے تو ان کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں پھر زبان پر کمزور جملے آتے ہیں دل و دماغ میں ہر وہ فلسفہ بیٹھ جاتا ہے جو آدمی کو پستی کی طرف لے جاتا ہے پھر اس وقت دشمن آرام سے بیٹھ جاتا ہے اور زوال پذیر قوم خود بخود اپنے زوال کے منصوبے بناتی رہتی ہے چنانچہ اسلام کا سنہرا دور جب چلا گیا اور اسلام کے بلند و بالا جھنڈے نیچے اترنے لگے۔ اور عزت وعظمت، شان وشوکت کے بعد جب مسلمان مجموعی اعتبار سے پستی کی طرف گرنے لگے تو ان کے ہاں ایسے معذرت خواہ جملے رائج ہونے لگے جن کی روشنی میں آرام طلبی، سہولت پسندی کے مواقع تو فراہم ہوگئے، لیکن اس کے ضمن میں مسلمانوں کے کارنامے، کردار یا تاریخ سازی کی حیثیت سے محروم ہوگئے، اسی محرومی کے زمانے میں ایک جملہ گھڑلیا گیا اور اس کو حدیث کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ اس وجہ سے مسلمانوں کے جذبات کا رخ اعداء

اسلام کے بجائے اپنی جانوں کی طرف مڑ جائے اور ''قہر درویش بر جان درویش'' کا مکمل مصداق بن جائے۔ راہ فرار اختیار کرنے کے لیے جس جملے کو حدیث کا نام دے کر اسکی خوب تشہیر کی گئی وہ یہ ہے:

رجعنا من الجهاد الا صغر الى الجهاد الاكبر قالو: وما جهاد الا كبر؟ قال: ''جهاد القلب''

یعنی حضور پاک نے فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آگئے صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ جہاد اکبر کون سا جہاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نفس کا جہاد (یعنی کفار سے لڑنا چھوٹا جہاد ہے؟ ملا علی قاری نے اپنی کتاب موضوعات کبیر میں حرف الراء کے ضمن میں (صفحہ ۱۴۷) پر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن حجر عسقلانی رحم اللہ کے حوالے سے فرمایا کہ لوگوں کے ہاں یہ حدیث زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے حالانکہ یہ ابراہیم بن عیلہ نامی شخص کا مقولہ ہے۔

تنظیم الاشتات شرح مشکوٰۃ جلد ا (صفحہ ۶۹) میں اس حدیث کے متعلق بحوالہ تفسیر بیضاوی لکھا ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (هذ احديث لا اصل له) یعنی اس حدیث کی کوئی اصل نہیں)۔

مشارع الاشواق الی مصارع العشاق کے مقدمے (صفحہ ۳۵) پر لکھا ہے کہ دشمنان اسلام نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے پاس دفاع کے لیے اور اعلا کلمۃ اللہ کے لیے جہاد ایک عظیم بنیادی طاقت ہے اور جہاد کی برکت اور اللہ تعالی کی مدد سے مسلمانوں نے نصف صدی سے بھی کم مدت میں آدھی دنیا کو فتح کرلیا۔ تاریخ کے صفحات پر جب کفار نے اس چیز کو دیکھا تو انہوں نے جہاد کو توڑنے اور اسے کمزور کرنے کے لیے کئی سال تک گٹھ جوڑ کر کے غور وخوض کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس مشکل کا حل ڈھونڈھ لیا اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو آسائش و آرائش میں ڈال کر جہاد سے ہٹالیا جائے پھر اس کے لیے ایک مہذب طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ انہوں نے جہاد کی اصغر اور اکبر کی طرف تقسیم کردی کہ نفس کے ساتھ بڑا جہاد ہے اور کفار سے جہاد چھوٹا جہاد ہے۔ پھر اس مقصد کے حصول کے لیے دشمنان اسلام نے احادیث گھڑلیں اور اس کی نسبت حضور کی طرف کردی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کی طرف نسبت سے مسلمان اسے جلدی قبول کرلیں گے چنانچہ انہوں نے (رجعنا من الجهاد الاصغر الى جهاد الاكبر) کی حدیث گھڑی۔

پھر اس گھڑی ہوئی حدیث کا اثر کمزور مسلمانوں پر اسطرح ہوا کہ انہوں نے جب دیکھا کہ نفس و شیطان کے ساتھ مقابلہ بڑا جہاد ہے تو کفار سے جہاد کرنے سے باز آگئے اور کنارہ کش ہوکر تسبیح اور ذکر و فکر میں مشغول ہوکر دنیا کو کفار کے لئے خالی چھوڑ گئے تو کفار غالب آگئے اور مسلمان غلام ہوکر رہ گئے۔

جہاد مع النفس اور جہاد مع الکفار کے متعلق ترمذی شریف کی ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے کوکب الدری میں اسطرح لکھا ہے۔

''اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جہاد مع النفس اور جہاد مع الکفار دونوں کا آپس میں جوڑ اور اتصال ہے کیونکہ کفار سے لڑنے میں نفس کا مجاہدہ ہوتا ہی ہے نفس کے مجاہدے کے بغیر کفار سے لڑنے کا تصور ممکن نہیں ہے اور رہ گیا نفس کا مجاہدہ تو یہ مجاہدہ نفس جب مکمل ہو جائے تو یہ آدمی کو کفار سے لڑائے بغیر چھوڑتا ہی نہیں چاہے زبان سے یا تلوار سے''۔ (۱۵)

بلا شبہ اسلام کا تصور جہاد بڑا جامع اور منفرد تصور ہے۔ یہ انسانیت کو ظلم وطغیان اور فساد وافتراق سے محفوظ رکھنے اور اللہ کی رضا کے لیے اعلیٰ اخلاقی مقاصد کے حصول کے لیے جان ومال کی بازی لگانے سے عبارت ہے۔ جہاد زبان اور قلم سے حق کی بات کو ادا کرنے اور عدل وانصاف اور اطاعت الٰہی کے نظام کے لیے دلوں کو مسخر کرنے کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم نے ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے کو افضل جہاد قرار دیا ہے اس کے ساتھ جہاد ظلم اور باطل کی قوتوں سے ٹکر لینے کا نام ہے تاکہ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا فریضہ ٹھیک ٹھیک ادا ہو اور انسان جبر وظلم کے نظام سے نجات پاسکے۔ یہ جہاد جسم وجان مال ودولت اور شمشیر وسنان سب سے ہے۔ لیکن جہاد میں مصروف تلوار صرف حق کے دفاع اور مظلوم کی حفاظت کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کسی پر ظلم کا ذریعہ نہیں بنتی اور اس سے جہاد اکبر اور جہاد اصغر یک رنگ ہو جاتا ہے- اکبر واصغر ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ جو ایمان، تقویٰ اور ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے حسین الفاظ میں مجسم کر دیے گئے ہیں اور ان کے درمیان کوئی فصیل حائل نہیں کی جا سکتی۔

الحاصل جہاد اکبر واصغر دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں، ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ جہاد اکبر قلب کی اصلاح، تزکیہ نفس، اعلی اخلاقی صفات کی پرورش، اللہ اور اللہ کے بندوں کے حقوق کی پوری پاسداری کا نام ہے۔ جہاد بالسیف بھی بعینہٖ انھی اقدار کے حصول اور تحفظ کے لیے ضرورت کے وقت قوت کے استعمال کا نام ہے۔ میدان کارزار میں بھی تقویٰ اور تزکیہ ہی اصل ہتھیار ہیں۔ اللہ کی رضا کے لیے جان کی بازی لگانے اور ہر لمحہ تیار رہنا ہی مسلمان کی شان ہے۔ (۱۶)

تیسرا مغالطہ:

سورالحج میں فرمایا گیا:

''اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہیں کرتا رہے تو خانقاہیں، گرجا، معبد اور مسجدیں، جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اسکی مدد کریں گے۔ (الحج: ۳۹۔۴۰)

یہاں مغربی استعماری تصورات سے نمو پانے والی بلا رو رعایت جنگ کے تصور کے برعکس ایک نئی فکر انقلابی انداز میں پیش کی گئی ہے۔

یہاں کم از کم چار مذہبی روایات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بات فرمائی جا رہی ہے کہ عیسائیوں کے گرجے ہوں، یہودیوں کے معبد ہوں یا بدھ اور دیگر مذاہب والوں کی خانقاہیں یا مسلمانوں کی مساجد ہوں ان تمام علاماتی مراکز عبدیت کے تحفظ آزادی اور بلا روک ٹوک ان میں جا کر اپنے مسلک کے مطابق اپنے رب کو یاد کرنے کے حق کا دفاع جہاد کا بنیادی مقصد ہے۔ یہ وہ انقلابی تصور ہے جسے ایک عیسائیت سے مرعوب ذہن اور نگاہ عموماً محسوس کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

چونکہ اس کا بنیادی ذہنی ڈھانچہ کاغذی سطح پر کفارہ نجات، تلافی اور وقار کی شہتیروں سے تعمیر ہوتا ہے اس لیے وہ اسلام

میں بھی ان تصورات کی متبادل نظریات کی تلاش ہوتی ہے۔

سورہ الحج کی مندرجہ بالا آیات سے جو اصول نکلتا ہے وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے مقامات، عبادات ان کی ثقافت وتہذیبی زندگی کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دیتا ہے۔اس سے زیادہ حقوق انسانی کا احترام اور دیگر مذاہب کے ساتھ رواداری کا طرزِعمل نہ تو عیسائیت نے آج تک پیش کیا ہے نہ کسی مشرقی یا مغربی مذہب نے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن جہاد کو ایک فریضہ قرار دیتا ہے جہاد کی تمام فرضیت واہمیت کے باوجود قرآن وحدیث نے اس کے لیے جو اصلاح استعمال کی وہ اپنی جان ومال سے اللہ کی راہ میں انتہائی کوشش کی ہے۔اسلامی تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ کسی فقیہ یا مفسر ومحدث نے جہاد کے لیے (Holy wars) یعنی حرب المقدس جنگ کی اصطلاح استعمال کی ہو۔انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے اس تصور کو خالصؑ عیسائیت سے منسوب کیا ہے اور بتایا کہ پاپائے روم نے یہودیوں اور مسلمانوں کو قوت کے استعمال کے ذریعے عیسائی بنانے کے لیے تمام عیسائیوں کو حروب الصلیبی کے عنوان سے جمع کیا اور یہی صلیبی جنگیں (Holy wars) کہلائیں۔(Macrop edia شکاگو، جلد ۵، ۱۹۷۴ء، ص ۳۱۰۔۴۹۷)

اسلام کے قانون صلح وجنگ میں کسی مقدس جنگ کا تصور پہلے نہ تھا اور نہ ہی آج پایا جاتا ہے۔چونکہ اسلام زندگی کو لادینی اور دینی خانوں میں تقسیم نہیں کرتا اس لیے اس کی جنگ ہو یا رزقِ حلال کا حصول، شعروشاعری ہو یا صنعت وحرفت، ہر سرگرمی کا مقصد اللہ کو راضی کرنا اور اللہ کی ناراضی سے بچنا ہے۔اس لیے دین کا دائرہ کار اور لادینی اعمال کا دائرہ کار الگ الگ نہیں ہیں۔مغربی تعلیم یافتہ ذہن اور خود مغرب کا مادہ پرست تہذیب کا پیدا کردہ ذہن چونکہ اسلام کو یورپی مذہبی عینک سے دیکھتا ہے اس لیے مسجد جانے کو مذہبی سرگرمی جبکہ ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرنے کو سیکولر اور لادینی سرگرمی قرار دیتا ہے۔یہ تقسیم اسلام کے لیے اجنبی ہے اگرچہ بہت سے مسلمان صدیوں سے اس پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔اور اپنے خیال میں کمال مہارت سے دین ودنیا میں توازن پیدا کر کے بیک وقت مسجد جا کر اللہ تعالیٰ کو اور کاروبار کے دائرہ میں سرمایہ داری کے دیوتا کو خوش رکھنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔قرآن مجید نے جب یہ سوال اٹھایا تھا کہ کیا بہت سے معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ۔تو اس سوال کا اصل مقصد اس تقسیم کو بنیاد سے اکھاڑ پھینکنا تھا۔ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں (Holy wars) مقدس جنگ کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا ہے۔یہ بنیادی طور پر ایک عیسائی تصور ہے جسے اسلام پر چسپاں کرنا قرآن وسنت کی تعلیمات کی روح کے منافی ہے۔

جہاد فی الحقیقت معاشرتی، معاشی اور سیاسی عدل کے قیام کا ذریعہ ہے۔جہاد اس مجموعی اور اجتماعی عمل کا نام ہے۔جو معاشرے کی اصلاح اور بقائے حیات کے لیے فاسد مادوں کو دور کر کے فضا کو صحت مند، سازگار اور عدل وامن کا مرکز بنادے۔(۱۷)

تصور جہاد کے متعلق یہ ساری تعبیرات اور مغالطے دراصل جہاد اور قتال کی اصطلاحات اور ان کے قرآن کریم میں استعمال سے ناواقفیت کی بناء پر ہیں۔وہ سادہ لوح افراد جو قرآن سے کچھ واقفیت رکھتے ہوں ان تعبیرات کو سن کر معذرت پسندانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ان تعبیرات کو اتنی تکرار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے کہ نہ صرف عامۃ الناس بلکہ غیر مسلم اور

دانش ور بھی بغیر ضمیر کی خلش کے اکثر ان ہوائیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر نتیجتاً جہاد و قتال کو ماضی کی ایک روایت قرار دیتے ہوئے فرار کی راہ اختیار کی جاتی ہے۔

فرار جہاد:

اقبال نے ''ارمغان حجاز کی نظم'' ابلیس کی مجلس شوریٰ میں بتایا کہ ساری سازش مسلمانوں کو جہاد ہی سے دست بردار کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ اور ابلیس کی ساری حکمت عملی یہی ہے کہ مسلمان جہاد کو ترک کریں اور دوسرے مشغلوں میں مصروف رہے۔ اس کا مشورہ یہی تھا کہ

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے　　تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہیں قیامت تک رہے مومن غلام　　چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بےثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر　　جو چھپا رہے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری میں　　ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کائنات (۱۸)

دنیا کی ساری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ دنیا میں جو قومیں بھی غلام ہوئی ہیں وہ لازماً موت کے خوف، زندگی کی محبت، مال و دولت کی ہوس، عیش و عشرت کی کثرت یعنی اخلاقی اقداروں سے بے بہرہ ہو جانے کے سبب سے آزادی جیسی نعمت عظمیٰ کو ہاتھ سے دے کر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دی گئی ہے۔ یہ مثال خود مسلمانوں کی تاریخ میں دیکھی جا چکی ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال کی مشہور و معروف نظم ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ امت مسلمہ کے زوال کا حقیقی سبب جہاد سے غفلت ہے۔ (۱۹) یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں کئی مقامات پر مسلمانوں کو ترک جہاد سے منع فرمایا گیا ہے۔ اور دوران جنگ پیٹھ پھیرنے کو گناہ کبیرہ کہا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے۔

اے ایمان والو! جب تم لشکر کی صورت میں کفار سے دو چار ہو تو ان کے مقابلے میں پیٹھ نہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری۔ الا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اور وہ بہت بری جائے بازگشت ہے۔ (الانفال:۱۶)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم حالت زحف میں ہو یعنی جنگ میں دو بدو مقابلہ آن پڑے تو اس وقت فرار اختیار نہ کرو۔ الا یہ کہ فرار کسی جنگی چال کی صورت میں ہو۔ کہ تم بہترین موقع کے لیے فرار اختیار کر رہے ہو یا کوئی اور بہترین منصوبے کی خاطر فرار کا حکم دیا گیا ہو یا تم کسی دوسری جنگی کمپنی سے ملنے کے لیے فرار اختیار کر رہے ہے۔ یا تم جنگی ہیڈ کوارٹر کی طرف بھاگ رہے ہو تا کہ دوبارہ حملہ کر سکو۔ ان حالات کے سوا تم دشمن کو پیٹھ دکھاؤ تو تم عذاب کے مستحق بن ہو جاوگے تم پر اللہ کا غضب ہوگا اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

بعض اقوال ایسے منقول ہوئے ہیں کہ یہ حکم صرف اہل بدر کے لیے تھا یا ایسے غزوات کے لیے تھا جن میں حضور اکرمؐ

بذاتِ خود شریک ہوا کرتے تھے لیکن جمہور علماء اور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت اور حکم عام ہے اور یہ کہ مقابلے سے بھاگنا ان سات گناہ ہائے کبیرہ میں سے ایک ہے جن کے بارے میں حضور اکرم نے موبقات استعمال کیا ہے۔ (۲۰)

حضرت صفوان بن عسال سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ، زنا مت کرو اور نہ کسی نفس کو ناحق قتل کرو اور نہ کسی بے گناہ کو صاحب اقتدار کے سامنے لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کردے اور نہ جادو کرو نہ سود کھاؤ اور نہ کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگاؤ اور نہ جنگ سے فرار اختیار کرو''۔ (۲۱)

بنی اسرائیل جو کہ ایک معتوب قوم ہے ان کے متعلق اللہ تعالی فرماتا ہے۔

یہ اگر تم سے لڑیں گے تو مقابلے میں پیٹھ دکھائیں گے پھر ایسے بے بس ہوں گے کہ کہیں سے ان کو مدد نہ ملے گی۔ (آل عمران:۱۱۱)

دنیا کی امامت و رہنمائی کے جس منصب سے بنی اسرائیل اپنی نااہلی کے باعث معزول کیے جاچکے ہیں اس پر اب یہ امت مامور کی گئی ہے۔ اور بنی اسرائیل کی طرح اگر یہ امت بھی جہاد سے منہ موڑے گی اور اپنا فرض و منصب بھول جائے گی تو اللہ کا فیصلہ ہے کہ ایک قوم اپنی ذمہ داری کو بھول جائے تو اس کے لیے مشکل نہیں ہے کہ اسے ہٹا کر دوسری قوم لائے۔

پیچھے ہٹنا اور بھاگنا دراصل اپنی شکست تسلیم کرنا ہے جو کہ ایک بہت بڑی ذلت ہے۔

موسیٰؑ نے بھی اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے برادران قوم اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہیں پیچھے نہ ہٹو ورنہ ناکام و نامراد پلٹو گے۔ (المائدہ:۲۱)

فرار جہاد کے نقصانات

۱) پستی اور زوال

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اے نبی کہہ دو اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رخاندان کے آدمی، اور وہ مال جو تم کماتے ہو اور وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو خدا اور رسول سے تمہیں زیادہ عزیز ہیں تو پھر انتظار کرو۔ حتی کہ خدا اپنا فیصلہ بھیجے۔ اور خدا نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (التوبہ:۲۴)

ایک اور جگہ ارشاد ہے

اگر تم جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو اٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (التوبہ:۳۹)

یعنی جو لوگ جہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں اور غلبہ و سربلندی کے لیے جہد مسلسل نہیں کرتے وہ ذلت کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھلائی کے کاموں سے محروم رہتے ہیں۔ اور وہ یہ میدان اپنے دشمنوں کے لیے خالی چھوڑ دیتے

ہیں یاد رہے کہ جہاد فی سبیل اللہ اور اسلام کی راہ میں جہاد کی راہ چھوڑ دینے کے نتیجے میں ذلت و پستی ہی مقدر بنتی ہے۔ جہاد کا شریفانہ عمل جس قربانی کا مطالبہ کرتا ہے اس کے مقابلے میں ذلت اور پستی اس سے زیادہ قربانی کا مطالبہ کرتی ہے۔ غرض جس قوم نے بھی جہاد کے عمل کو ترک کیا، اس کے مقدر میں ذلت لکھ دی جاتی ہے۔ وہ دشمن کے لیے لقمہ تر بن جاتی ہے اور دشمن بڑی آسانی کے ساتھ غلام بنالیتا ہے۔ (۲۲)

۲) ابتلاء عظیم کا تسلط:

ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم سے سنا کہ آپ نے فرمایا جب لوگ درہم و دینار کے حریص ہو جائیں اور جنس بازار میں آنے سے پہلے بیع کرنے لگیں اور بیلوں کی دمیں پکڑ لیں (کھیتی باڑی میں منہمک ہو جائیں) اور جہاد کو چھوڑ دیں تو اللہ ان پر سخت آزمائش مسلط کر دے گا اور وہ اس سے اس وقت نکل سکیں گے جب تک اپنے دین کی طرف لوٹ کر نہ آئیں گے۔ (اور جہاد کو قائم نہ کریں گے)۔ (۲۳)

جہاد کو قائم کرنا تو دور کی بات مسلمانوں کو یہ بھی پتا نہیں کہ جہاد کہتے کسے ہیں۔ وہ فرائض جو کہ قرآن مجید نے اتنی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ بعض مفسرین نے یہاں تک لکھا ہے کہ قرآن مجید کا موضوع ہی جہاد ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ توحید کے بعد سب سے زیادہ اگر کسی مسئلے کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے تو وہ ہے جہاد کا مسئلہ۔ وہ مسئلہ جسے امت کے بچے سمجھتے تھے اور اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر کہتے تھے یا رسول اللہ! ہمیں بھی جہاد کے لیے لے کر چلیں۔ امت کے بچے کشتیاں کرتے تھے کہ ہمیں بھی لے جایئے۔ وہ مسئلہ آج امت کے نوجوانوں کو معلوم ہی نہیں۔ وہ مسئلہ جس کو امت کی عورتیں سمجھتی تھیں اور حضرت خولہ شام کے فتح کی موقع پر ایک میدان میں تین بڑے کمانڈروں کو قتل کر دیتی ہیں آج وہ مسئلہ امت کے مردوں کو معلوم بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امت ذلیل ہو رہی ہے۔ مظلوم مسلمانوں کی کھوپڑیاں اڑ رہی ہیں۔ امت کی عزتیں تباہ ہو رہی ہیں۔ امت میں انتشار ہے، خوف ہے، بدامنی ہے، قرآن مجید کو جلایا جا رہا ہے۔ امت کی بیٹیاں غیر محفوظ ہیں مگر کوئی خالد بن ولید، ٹیپو سلطان، محمد بن قاسم نہیں جو ان کی آبرو بچا سکے۔ سب سے بڑھ کر شرمناک بات یہ ہے کہ جس مقدس شہر (بیت المقدس) کی حفاظت ہمارے سپرد ہوئی تھی اس کو نہ صرف ہم نے ضائع کر دیا بلکہ اس قوم نے چھینا جسے خود اللہ نے وہاں سے ذلیل و خوار کر کے نکال دیا تھا۔ آج مسلمانوں کو ہر جگہ کمتر اور ذلیل سمجھا جا رہا ہے۔ ان کو شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ ان کے جوتے اور لباس تک کی تلاشی لی جاتی ہے۔

جہاد ہی کے ذریعے سے امت کو مسائل اور پریشانیوں سے نجات مل سکتی ہے۔

عبادہ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم نے فرمایا:

اللہ کے راستے میں ہر قریب اور دور کے دشمن سے جہاد کرو۔ اللہ کے دین کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو۔ اور اللہ کی حدود قائم کرو۔ حضر اور سفر دونوں حالتوں میں۔ جہاد کی ذریعے اللہ تعالیٰ انسانوں کو پریشانی اور رنج سے نجات دلاتا ہے۔ (۲۴)

آج ہمارا مسئلہ یہی ہے کہ ہم دین کے معاملے میں ملامتوں سے ڈرتے ہیں۔ جہاد جیسے عظیم فریضے کو بھی ہم نے اس لیے ترک کر دیا ہے کہ مغرب نے جہاد کا ایک عجیب وغریب اور خوفناک ترین تصور دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔حتیٰ کہ مسلمان ممالک کی افواج کے مقاصد میں بھی جہاد فی سبیل اللہ نظر نہیں آتا کیونکہ لفظ ''جہاد'' کے خلاف اتنا پروپیگنڈا کیا گیا ہے کہ اب مختلف مسلمان ممالک افواج کے علاوہ بہت سے مسلمان صحافی اور دانش ور بھی لفظ ''جہاد'' استعمال کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ دنیا کو جہاد کی اصل حقیقت ومقاصد سے آگاہ کریں خود پر دہشت گردی کا لیبل لگنے کے خوف سے جہاد کا نام تک نہیں لیتے۔

۳) سامراجی قوتوں کا غلبہ:

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم سے سنا کہ حضرت ثوبان (آنجناب کے آزاد کردہ غلام) سے فرمایا: اے ثوبان! تمہاری کیا حالت ہوگی اگر تم پر دوسری قوتیں اس طرح ٹوٹ پڑیں جس طرح تم کھانے کے برتن پر لقمے لینے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہو؟ ثوبان نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں اے اللہ کے رسول کیا یہ ہماری حالت قلت تعداد کی وجہ سے ہوگی؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا: یہ بات نہیں بلکہ تعداد میں تو تم زیادہ ہوگے لیکن تمہارے دلوں کے اندر کمزوری، بزدلی پڑ جائے گی۔ دوسرے صحابہ نے دریافت کیا یارسول اللہؐ! کمزوری سے کیا مراد ہے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا: تمہارا دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جانا اور لڑائی سے جی چرانا یہ کمزوری ہے۔(۲۵)

یہ جہاد ہمارا قلعہ تھا۔ ہمارا دفاع تھا، ہمارا تحفظ تھا، جہاد کی قوت سے ہم نماز پڑھتے تھے کوئی روک نہیں سکتا تھا، ہم اذانیں دیتے تھے کوئی ٹوک نہیں سکتا تھا۔ ہم دین کی دعوت کو پوری دنیا میں لے کر جاسکتے تھے کوئی روک نہیں سکتا تھا اور کوئی روک کر زندہ نہیں رہ سکتا تھا کوئی اپنی تہذیب کو ہماری تہذیب کے ساتھ خلط ملط نہیں کرسکتا تھا۔ کافروں نے جہاد کی دیواروں کو توڑا ہماری تہذیب پر ڈاکا ڈالا آج اسلامی تہذیب فنا ہوگئی ہماری معیشت پر ڈاکا ڈالا ہمیں غلام بنالیا۔آج مسلمان قوموں، قبیلوں اور ملکوں میں تقسیم ہو کر اپنی شناخت کھو چکے ہیں، وہ مسلمان جو ساڑھے بارہ سو سال تک ایک عظیم عالمی قوت تھے مگر آج وہ اس قوت سے محروم ہیں۔ سیاسی قوت اور عالمی سطوت جو کہ امت مسلمہ کا طرہ امتیاز تھا آج اس کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ امت کے زوال کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ایمان اور جہاد کے جس رشتے کو قرآن مجید نے بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا تھا وہ ٹوٹ گیا ہے اور ذہنوں سے محو ہو گیا ہے۔ جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اس وقت ایک ایسے مومن کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا جو کہ ہجرت اور جہاد نہ کرے۔ اور آج اربوں مسلمان ایسے پائے جاتےہیں جن کے دلوں میں یہ بھی نہیں گذرتا کہ ایمان کا لازمی تقاضا اللہ کی راہ میں جدوجہد، کوشش اور جہاد ہے۔(۲۶)

خلاصۂ بحث!

میرے اس مقالے کا نچوڑ دراصل یہی ہے کہ امت مسلمہ کے زوال کا حقیقی سبب جہاد سے غفلت ہے۔ جہاد مسلمانوں کی ایک اعلیٰ قدر ہے ایک فریضہ ہے۔ حدیث میں واضح طور پر بتادیا گیا کہ جو قوم جہاد کو ترک کرے گی جہاد سے فرار اختیار کرے گی وہ ہلاک ہو جائے گی۔ جب ایک قوم اپنی اعلیٰ قدروں سے غافل ہو جاتی ہے۔ تو وہ بے حسی اور بے حمیتی کا شکار

ہو جاتی ہے اور بے حسی اور بے حمیتی بالآخر اس کی غلامی پر منتج ہو جاتی ہے۔ آج کے حالات کا اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے کہ پوری دنیا میں امت مسلمہ ہی آخر کیوں ظلم و بربریت کا شکار ہے؟ آج ہمارا قبل اول یہودیوں کے قبضے میں ہے۔ فلسطین کا مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ الجزائر، بوسنیا، کشمیر، تاجکستان اور پوری دنیا میں جس طرح سے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کیا جا رہا ہے اور ان کی نسل کشی کی جا رہی ہے۔ ہماری ماوں بہنوں کی عصمتیں تار تار کی جا رہی ہیں، کافروں کو کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے وہ جہاں چاہتے ہیں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلتے ہیں، مسجدوں اور مدرسوں کو ویران کیا جا رہا ہے، ناموس رسالت پر مسلسل حملے ہو رہے ہیں مگر امت مسلمہ خواب خرگوش میں ہے۔ آج کے ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات پوری دنیا کے مسلمانوں کی مظلومیت کی داستانیں نشر اور شائع کر رہے ہیں یہ تمام دلخراش واقعات ہم سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں مگر ہمارے دلوں میں درد پیدا نہیں ہوتا؟ ہمارے ضمیر کیوں مردہ ہو گئے ہیں؟ مسلمان اور مؤمن کی صفات کو علامہ اقبال یوں بیان کرتے ہیں

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں

ہندوستان کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے

المختصر آج پوری امت مسلمہ کی حالت زار ہمارے لیے لمحہ فکر یہ ہے دنیا میں مسلم ممالک کی تعداد ۶۵ ہے اور سب ہر قسم کی دولت سے مالا مال ہیں۔ لیکن افسوس کہ کسی بھی ملک میں مکمل اسلامی نظام نافذ نہیں ہے ہر جگہ پاکستان، تیونس، الجزائر، انڈونیشیا وغیرہ میں جنگ آزادی اسلام کے نام پر لڑی گئی مگر ہر جگہ آزادی کے بعد اسلام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہر جگہ اسلام کے احکام و حدود کو پامال کیا گیا اور نتیجتاً ذلت و خواری مقدر بنی۔

یہ اسلام کے لیے یکسو نہ ہونے اور جہاد کو ترک کرنے کا نتیجہ ہے کہ آج سارا عالم اتنی عظیم الشان آبادی اور اتنے وسیع وسائل و ذرائع کے باوجود پارہ پارہ ہے اور دوسروں کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہے

"سب راستے آزمانے کے بعد اور ہر طرف سے ٹھکرائے جانے کے بعد ہم کو اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ ہمارے لیے عزت و سربلندی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم خدا کے مخلص بندے بن جائیں۔ دنیا کی غالب قوموں اور گمراہ نظریات یعنی سرمایہ داری اور سوشلزم کو چھوڑ کر اسلام کا راستہ اختیار کریں۔ دین حق کی نصرت کے لیے کمر بستہ ہو جائیں خدا سے بے وفائی چھوڑ کر اس کے وفادار بنیں اسکے ساتھ اپنا عہد پورا کریں۔ اس نے جس کام پر ہم کو مامور کیا ہے اور جو مشن ہمارے سپرد کیا ہے، یعنی اس کی اطاعت کی دعوت اور اس کے دین کا غلبہ، اسکو پورا کرنے کے لیے تن، من دھن سے لگ جائیں۔ اگر ہم اللہ کی مدد کریں گے تو اللہ ہماری مدد کرے گا۔ اللہ ہماری مدد کرے گا تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارے اوپر غالب نہیں آسکتی۔ یہ اسکا وعدہ ہے جو خدا کی قسم غلط نہیں ہوسکتا"۔ (۲۷)

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان مرد، عورتوں اور نوجوان نسل کو اس بنیادی جذبہ سے سرشار کیا جائے کہ انہوں نے دنیا میں عدل و انصاف کی سربلندی، اعلائے کلمۃ اللہ اور انسانیت کی رہنمائی کے لیے قوت حاصل کرنی ہے۔ اگر مسلمان حکومتیں اپنی باقاعدہ افواج کے ذریعہ فریضہ جہاد کو ادا کریں تو مسلمانوں بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کو امن مل سکتا

ہے۔ جہاد ہی کے ذریعے سے مسلمان قوت، اپنی کھوئی ہوئی شان اور مقام دوبارہ حاصل کرسکتے ہیں۔

حقیت یہ ہے کہ جہاد کے ساتھ ہی عزت مشروط ہے۔ جہاد ہو تو عزت ملتی ہے جہاد ہو تو درجات بلند ہوتے ہیں جہاد ہو تو امت کو خلافت ملتی ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری شریف، کتاب الحدود، باب رمی المحصنات

(۲) سعیدی، علامہ غلام رسول، شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص: ۵۴۶، لاہور، فرید بک اسٹال، اگست ۲۰۰۹ء

(۳) حاجی دلمراد خان مہر، جہاد، ص: ۱۰، ٹالپر یہ تعلقہ لکی ضلع شکار پور، امت پبلیکیشن، اپریل ۲۰۰۸ء

(۴) سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام ص: ۲۳۔۴۰، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، سترہویں اشاعت دسمبر ۲۰۰۲ء　　(۵) ایضا، ص: ۴۲،۴۲،۴۳

(۶) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی المجاھد والمکاتب والناکح وعون اللہ ایاھم، ج: 1، ص: ۴۲۸

(۷) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری شریف، کتاب الجہاد، باب افضل الناس مؤمن مجاھد بنفسہ ومالہ فی سبیل اللہ، ج: 1، ص: ۳۹۱

(۸) ایضا، کتاب الجھاد، باب الغدو والروحۃ فی سبیل اللہ وقاب قوس احدکم من الجن، ج: 1، ص: ۳۹۲

(۹) ایضا، کتاب الایمان، باب من قال ان الایمان ھو العمل، ج: ۱، ص: ۸

(۱۰) حامدی، خلیل احمد، جہاد اسلامی، ص ۳۲، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز اگست ۱۹۹۶ء

(۱۱) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، جہاد فی الاسلام ص: ۴۳۔۴۵

(۱۲) سید قطب شہید، فریضہ جہاد، حکمت اور مقاصد ص، ۳۴۔۳۵، لاہور، بحوالہ ترجمان القرآن، اکتوبر ۱۹۹۸ء

(۱۳) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، جہاد فی الاسلام ص: ۱۵۳۔۱۶۱

(۱۴) سید قطب شہید، فریضہ جہاد۔ حکمت اور مقاصد ص: ۳۶۔۳۸، لاہور، مشمولہ ماہانہ ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۹۸ء

(۱۵) مولانا فضل محمد یوسف زئی، توضیحات شرح مشکوٰۃ المصابیح ص: ۳۲۔۳۵، ج ۶

(۱۶) خلیل الرحمان چشتی، جہاد اکبر اور جہاد اصغر، لاہور، مشمولہ ماہانہ ترجمان القرآن مئی ۲۰۰۲ء

(۱۷) ڈاکٹر انیس احمد، مغرب کا اندیشہ جہاد اور جہاد، ص: ۵۸۔۶۰ لاہور، بحوالہ ماہانہ ترجمان القرآن، فروری ۲۰۰۷ء

(۱۸) قاضی حسین احمد، چمن کی فکر کرنا دان، ص: ۱۲۔۱۳، لاہور، مشمولہ ترجمان القرآن، فروری ۲۰۰۷ء

(۱۹) علامہ یوسف جبریل، جہاد کے اخلاقی اصول، ص: ۳، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت ۱۹۸۹ء

(۲۰) سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، ج، سوم ص ۶ ۲۷، لاہور، ادارہ منشورات اسلامی

(۲۱) صاحب المشکوٰۃ، ولی الدین ابی عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، باب الکبائر وعلامات النفاق، ج: ۱ ص، ۱۷

(۲۲) سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، ج: سوم ص: ۵۶۶، لاہور، ادارہ منشورات اسلامی

(۲۳) حنبل، امام احمد، مسند احمد، ج: ۲، ص: ۲۰۷، حدیث نمبر: ۵۵۳۷　　(۲۴) ایضا، ج: ۶، ص: ۴۵۱، حدیث نمبر، ۲۲۲۸۹

(۲۵) ابوداود، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداوٗد، کتاب الملاحم، باب مافی تداعی الامم علی الاسلام، ج: ۲، ص: ۲۴۲

(۲۶) خرم مراد، ایمان اور جہاد، ص: ۱۷، لاہور، منشورات، فروری ۲۰۰۸ء

(۲۷) خرم مراد۔ یہودیوں سے جنگ میں شکست کیوں ص: ۷۶، ۷۷، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن نومبر ۲۰۰۵ء مشمولہ ماہ نامہ، ترجمان القرآن